شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار کا جائزہ
(پاکستان کی معاشی صورتحال کے تناظر میں)

دلشاد احمد خاں *

محمد ادریس لودھی**

شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء-۱۷۶۳ء) کا عہد سیاسی لحاظ سے انحطاط کا دور تھا۔ سیاسی افراتفری اخلاقی زوال کے لیے راستہ ہموار کرتی ہے، مسلمہ اصول یہ ہے کہ پہلے اخلاقی انحطاط آتا ہے، اس کے نتیجہ میں سیاسی انحطاط رونما ہوتا ہے، اور سیاسی زوال مزید اخلاقی اور اقتصادی انحطاط کا سبب بنتا ہے۔ شاہ صاحب نے سیاسی، معاشرتی اور معاشی طور پر انحطاط پذیر معاشرہ کا نہ صرف جائزہ لیا، بلکہ اصلاح کے لیے قرآن وسنت پر مبنی ایسے عقل ونقل سے مستنبط اصولوں کی نشاندہی کی ہے، جو آج بھی پاکستان یا کسی بھی ملک کی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی بدحالی کی کشتی کو طوفان سے نکال کر کنارے لگا سکتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ان اصولوں یا افکار کا ایک جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

کسی بھی ریاست میں حکومت کے بغیر اس کے اقتصادی امور کی تعمیر وتطہیر ناممکن ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک شہر یا ملک کی حفاظت ونگرانی کے لیے امام یا حاکم کا ہونا ضروری ہے۔ آپ کے نزدیک امام کے لیے صاحب استعداد اور ملکی امور کو صحیح انجام دینے کی صلاحیت ضروری ہے۔ لکھتے ہیں۔

> ولیس الإمام عندنا هو الشخص الواحد الإنسانی البتة، نعم إذا تولاه مستعد لها مستبد بنفسه صلح الأمر کل الصلاح ویکون اماما فی ظاهر القول۔(۱)

ہمارے نزدیک امام سے مراد صرف فرد واحد نہیں، ہاں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر کوئی شخص واحد اس امر کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور پوری استعداد وقوت اور حسن تدبیر اور غیر معمولی قابلیت کی بدولت تمدنی زندگی کو احسن طریقہ پر چلائے تو بلاشبہ انتظام میں پوری صلاحیت پیدا ہوگی اور ایسا شخص واضح طور پہ امام کہلانے کا مستحق ہوگا۔

اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ شاہ ولی اللہ آمریت کے طرف دار ہیں، کیونکہ آپ نے اس کے لیے امام حق کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ آمریت اور جمہوریت دونوں کے درمیان ہے اور حکمران کے لیے

* ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان، پاکستان۔

** پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان۔

ارباب حل وعقد کی اکثریت کی تائید کوضروری قرار دیتے ہیں، جو جمہوریت کے قریب ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

لم ينتظم امر هاالا برجل اصطلح على طاعته جمهوراهل الحل والعقد له اعوان و شوكة(۲)

''حکومت کا نظام اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایسا شخص حکمران نہ ہو، جس کی اطاعت پر ارباب حل وعقد کی اکثریت راضی ہو۔اور اس کے ساتھ (فوج وغیرہ) بھی اس کے حق میں ہواور اس قوت کی اسے تائید حاصل ہو۔''

پاکستان میں ایک دوحکومتوں کو چھوڑ کرکسی بھی حکومت کو اپنی مدت پوری کرنا نصیب نہیں ہوا۔حکومت کی بار بار تبدیلی سے صنعتی ومعاشی ترقی رک جاتی ہے، اور بعض اوقات پہلے سے جاری منصوبے ختم ہوجاتے ہیں۔ان پر خرچ کیا ہوا روپیہ ضائع جاتا ہے، جس سے ملکی معیشت پر برا اثر پڑتا ہے۔آج پاکستان کے حکمرانوں کے اسراف و تبذیر نے ملک کومقروض کر دیا ہے۔شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار کی روشنی میں پاکستان کی معاشی وتجارتی صورتحال درج ذیل نکات کی صورت میں بہتر بنائی جاسکتی ہے۔

ا۔حکمران طبقہ کا اخلاقی معیار:

شاہ ولی اللہ کے نقطۂ نظر سے واضح ہوتا ہے کہ حکمران عاقل، بالغ، تندرست، صحیح الحواس، صاحب ہمت، صاحب الرائے، سیاسی امور کا ماہر، صلح وجنگ کے اصول سے آگاہ، خلق خدا کا ہمدرد، عوام کا خیرخواہ، عادل، اعلیٰ اخلاق کا حامل، کبائر سے بچنے والا، پابند شرع ہو، صغائر کا عادی نہ ہو اور اسلامی علوم میں بصیرت رکھتا ہو۔لکھتے ہیں:

وأن يكون عاقلاً بالغاً حراً ذكرا ذارأى وسمع وبصر و نطق ممن سلّم الناس شرفه و شرف قومه و رأوا منه ومن آبائه المآثر الحميدة و عرفوا ان لا يأ لواجهداً فى اصلاح المدينة هذا كله يدّل عليه العقل و ا جمعت عليه امم بنى آدم۔(۳)

''حکمران ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ عاقل، بالغ، مرد، آزاد، سمیع وبصیر اور صاحب نطق وکلام ہو۔اس کا شرف سب لوگوں کے لیے مسلّم ہو اور وہ شریف اور معزز خاندان کا فرد ہو۔جس کے مأثر وفضائل زدزبان خلائق ہو کہ وہ رعیت کی فلاح بہبود میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گا۔ یہ سب شرائط ایسی ہیں جن کو عقل تسلیم کرتی ہے اور تمام اقوام کا اس پر اتفاق ہے۔''

یقیناً اس وقت پاکستان کے آئین کی دفعہ A- ۶۲ (۴) کے حوالے سے ممبران قومی وصوبائی اسمبلی کے ارکان بننے کی جو شرائط ہیں، وہ شاہ ولی اللہ کے فکر کی عکاسی کرتی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی فکر کو ہم

رہنما اصول کے طور پر تسلیم کر کے اس پر عمل کو یقینی بنائیں۔ اگر حکمران اور ممبران اسمبلی مذکورہ بالا صفات سے متصف ہوں گے تو ملک کے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔ اور ملک ہر لحاظ سے ترقی کرے گا۔

۲۔ اعلی سرکاری عہدیداروں کی شرائط:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حکمرانوں کے ساتھ ساتھ اعلی حکومتی عہدیداران کے لیے بھی ضروری شرائط و اوصاف بیان کیے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر عہدہ دار کے لیے بعض قدرتی اوصاف کے ساتھ کسبی اوصاف کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، بلکہ ضروری اوصاف نہ ہونے کی صورت میں با اثر افراد تک کو عہدے سے ہٹانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

> ومن شرط اعوان الا مانة والقدرة على الاقامة ما امروا به وانقيادهم للملك والنصح له ظاهراً او باطناً وكل من خالف هذه الشريطة فقد استحقّ العزل فان اهمل الملك عزله فقد خان المدينة وافسد على نفسه امره و ينبغي انه لا يتخذالاعوان ممن يتعذّر عزله او ممّن له حق على الملك من قرابة (۵)
>
> ''ان (حکومتی مددگاروں) کے لیے شرط ہے کہ وہ امانتدار ہوں، انہیں جس کام کا حکم دیا جائے وہ اس کو بجا لانے کی طاقت (صلاحیت) رکھتے ہوں۔ ظاہر و باطن میں بادشاہ کے فرمانبردار اور اس کے خیر خواہ ہوں، اور جس میں یہ شرط نہ پائی جائے وہ معزول کرنے کے لائق ہے۔ اگر بادشاہ نے اسے معزول کرنے میں تساہل سے کام لیا تو اس نے شہر کے ساتھ خیانت کی، اور اپنا معاملہ بگاڑ لیا۔ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ ایسے معاون نہ بنائے جن کو معزول کرنا دشوار ہو اور نہ ایسے ہوں جن کا قرابت وغیرہ کی وجہ سے بادشاہ پر حق ہو۔''

شاہ ولی اللہ صاحب حکومت کے کلیدی عہدے یعنی حاکم، قاضی، سپہ سالار سب کے لیے دیانتداری، حکومت سے خیر خواہی، فرائض کی ادائیگی کا احساس اور صلاحیت اور حکومتی امور کی ادائیگی کی مناسب صلاحیت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ گویا شاہ صاحب کے نزدیک کلیدی و دیگر عہدے میرٹ پر دیئے جانے چاہیے۔ ان امور کے بغیر کسی بھی ملک کی معیشت کے مسائل ختم ہونا تو دور کی بات کم ہونا بھی ممکن نہیں۔

۳۔ کفالت عامہ:

شاہ صاحب کے نزدیک تمام انسانوں کو خود جائز ذرائع سے روزی کمانی چاہیے، تاہم بعض افراد جو کسی عارضے کی بناء پر معاشی جدوجہد میں پیچھے رہ جاتے ہیں، ایسے افراد کی معاونت اور کفالت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ہنگامی

حالات میں ایسے حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حکومت اغنیاء کے اموال میں مشاورت سے تصرف کا حق رکھتی ہے۔آپ عہد خلفائے راشدین سے استدلال کرتے ہوئے معذور اور بیمار افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کو ریاستی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔اپنے مؤقف کی تائید میں حضرت عمرؓ کے عہد کا واقعہ لکھتے ہیں۔

ان عمر ابن الخطاب كان يغدى الناس يوم فجاء رجل فجلس ياكل ويتناول بشماله فقال له عمر وكان يتعهده الناس عندطعامهم كل بيمينك فلم يجبه فأعادعليه وقال هى يا اميرالمومنين مشغولة فلما فرغ من طعامه دعا به فقال ماشغل يدك اليمين فاخرجها فاذا هى مقطوعة فقال ما هذا قال أصيبت يدى يوم اليرموك قال فمن يوضيك قال أتوضأ بشمالى ويعين الله قال فأين تريد قال اليمن الى ام لى لم أرها مذكذا وكذا سنة قال أوبر ايضاً فأمرله بخادم وخمسة أباعرمن ابل الصدقة وأوقرهاله۔(٦)

سیدنا عمر بن خطابؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے،(آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ) آپ کھانے کے وقت لوگوں کی خصوصی دیکھ بھال اور نگرانی کیا کرتے تھے،چنانچہ آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے،تو آپ نے اس سے کہا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔مگر اس نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا،آپ نے اسے دوبارہ کہا تو اس نے کہا: امیر المؤمنین! وہ مشغول ہے۔ جب وہ شخص کھانے سے فارغ ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور پوچھا کہ تمہارا دایاں ہاتھ کس کام میں مشغول تھا؟ اس پر اس نے اپنا ہاتھ باہر نکال دیا جو کٹا ہوا تھا،آپ نے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ جنگ یرموک میں کٹ گیا تھا۔آپ نے پوچھا:تمہیں وضو کون کرواتا ہے۔اس نے کہا کہ بائیں ہاتھ سے وضو کرتا ہوں اور اللہ میری مدد فرماتا ہے۔آپ نے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا: یمن اپنی والدہ کے پاس جس کی زیارت کے لیے میں کئی سالوں سے حاضر نہیں ہوسکا ہوں۔راوی کہتے ہیں کہ اس کی بات سن کر آپ نے اسے ایک خادم اور سامان ضرورت سے لدے ہوئے پانچ اونٹ عطا کرنے کا حکم دیا۔

شاہ صاحب نے حضرت عمرؓ کے عہد کا جو واقعہ نقل کیا ہے اگر اس کو اس کی روح کے مطابق وسعت دی جائے تو حکومت پاکستان ایسے ادارے قائم کرسکتی ہے جو معذور، اندھے، کمزور، بیمار اور مختلف امراض میں مبتلا لوگوں کی کفالت اور ضروریات زندگی کی فراہمی کا فریضہ ادا کریں۔اس سے ملک میں غربت و افلاس کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اور غربت و افلاس کی بنا پر ملک میں جو معاشی اور معاشرتی مسائل پیدا ہورہے ہیں ان کا بھی خاتمہ ممکن ہے۔

۴۔تعلیم اور معاش:

تعلیم ہی وہ بنیاد ہے جس پر کسی ملک کی معاشی ترقی کا انحصار ہے۔شاہ صاحب افراد و معاشرہ کے لیے تمام علوم (خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی) حاصل کرنے کو نہ صرف ضروری سمجھتے ہیں بلکہ خلیفہ کے لیے پورے ملک میں تعلیم کے اہتمام کو واجب کا درجہ قرار دیتے ہیں۔ بنیادی تعلیم کے لیے تمام شہروں میں مدارس کا قیام اور اساتذہ کی تقرری کو ریاست کی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔حکومت کیساتھ عوام کو بھی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اعلیٰ علوم سیکھیں، ان میں مہارت حاصل کریں، اور علوم کے ذریعے ترقی کے راستے تلاش کریں۔ وہ لکھتے ہیں۔

واهل البلد على اكتسا ب الفضائل كا لخطّ والحساب والتاريخ والطبّ والوجوه الصحيحة من تقد مة المعرفة (۷)

''اہل شہر کو ترغیب دی جائے اور ایسا نظام بنایا جائے کہ وہ اعلی علوم حاصل کریں، جیسے لکھائی پڑھائی، حساب، تاریخ، طب وغیرہ اور علوم کی ترقی کے صحیح طریقے دریافت کریں۔''

انسانی معاشرہ کی ترقی وخوشحالی کے لیے مفید علوم خواہ ان کا تعلق مادی امور سے ہو یا اخروی زندگی سے متعلق ہو ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ثم لا بدّله من تعليم العلوم النافعة فى معاشه و معاده(۸)

''مفید علوم خواہ ان کا تعلق مادی امور سے ہو یا اخروی زندگی سے حاصل کرنا ضروری ہے۔''

فکر شاہ ولی اللہ کے مطابق دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم، قدیم وجدید جو انسانی معاشرے کی ترقی کا ذریعہ ہیں، انہیں حاصل کرنا عوام کی ذمہ داری ہے۔حکومت کا فرض ہے کہ ایسے ادارے اور مواقع فراہم کرے، تا کہ لوگ جدید علوم حاصل کر سکیں۔ مسلمان جو کئی علوم میں پوری دنیا پر برتری رکھتے تھے، آج اس میدان میں کمزوری کی بنا پر محکوم ومقہور ہیں۔فکر شاہ صاحب کی روشنی میں علم کے بارے میں دیے گئے لائحہ عمل پر عمل کرنے سے ملک پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔

۵۔پیشوں کے انتخاب میں توازن اور غیر اخلاقی پیشوں کی ممانعت:

شاہ صاحب کے معاشی افکار میں پیشوں کے انتخاب میں توازن کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ غیر شرعی وغیر اخلاقی پیشوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ان کے نزدیک اگر عوام کی اکثریت صنعت وحرفت یا سرکاری ملازمتوں کو اختیار کرلیں، تو زراعت اور کاشتکاری جیسے بنیادی شعبے متاثر ہوں گے اور اس عدم توازن کا معاشرے پر برا اثر پڑے گا۔اسی طرح اگر بعض لوگ ایسے پیشے اختیار کرلیں جو معاشرے کی بربادی کا باعث ہوں تو معاشی اور اخلاقی طور پر

معاشرہ تباہ ہوجائے گا۔

وان تکسبو ا بعصارۃالخمر وصناعۃ الا صنام کان ترغیباً للناس فی استعمالھا علی الوجہ الّذی شاع بینھم فکان سبب لھلاکھم فی الدین فان و زّعت المکاسب و اصحابھا علی الوجہ المعروف الّذی تعطیہ الحکمۃ وقبض علی ایدی المتکسبین بالاکساب القبیحۃ صلح حالھم۔ (۹)

''اگر لوگ شراب نچوڑنے اور مجسمہ سازی وغیرہ سے روزی کمانے لگیں تو عام لوگوں کو ان اشیاء کی ترغیب ہوگی اور یہ دین کے معاملے میں ان کی ہلاکت کا سبب بنے گی اور اگر حکمت کے معروف طریقوں کے مطابق پیشوں اور پیشہ وروں کی تقسیم کا انتظام ہوجائے اور برے پیشوں پر پابندی لگائی جائے تو ان کی حالت درست ہوجائے گی۔''

گویا انسانی حاجات کے مطابق پیداواری پیشے اختیار کیے جائیں۔غیر پیداواری پیشوں اور اخلاق حسنہ کو تباہ کرنے والی اشیاء کی پیداوار پر صلاحیتیں خرچ نہ کی جائیں،تو معاشی انحطاط سے بچاؤ ممکن ہے۔پاکستان میں پیشوں کے انتخاب میں توازن کے لئے کوئی جامع منصوبہ بندی نہیں کی جاتی ، اور ہر حکومت اپنے دور میں بلاضرورت مختلف اداروں میں ملازمین بھرتی کرتی ہے،جس سے محکموں پر معاشی بوجھ بڑھ جاتا ہے اور وہ ادارے بجائے نفع دینے کے نقصان میں چلے جاتے ہیں۔پھر ان سے جان چھڑانے کے لیے نجکاری کرنے کے فیصلے ہوتے ہیں،جیسا کہ آج کل ریلوے، واپڈا، پی آئی اے اور پاکستان اسٹیل مل کراچی کو نجکاری کا سامنا ہے۔

۶۔زائدازضرورت مال جمع کرنے کی ممانعت:

ضروریات زندگی سے زائد سامان اور مال جمع کرنا اور تفاخر کے طور پر اس کی نمائش کرنا معاشرے میں معاشی عدم توازن کا سبب ہے۔ایسے امور میں مبتلا لوگوں کا معاشرہ معاشی عدم توازن کا شکار ہوکر انحطاط پذیر ہوجاتا ہے،اسی لیے شاہ صاحب ضرورت سے زائد اشیاء جمع کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ومنھا اقتناء عدد کثیر من الدّواب والفرش لا یقصد بذلك کفایۃ الحاجۃ بل مراء اۃ الناس والفخر علھیم فقال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فراش للّرجل۔ وفراش لا مرأتہ ۔والثالث للضّیف۔ والرابع للشیطان وقال النبیﷺ یکون ابل للشیطین و بیوت للشیٰطین ۔ (۱۰)

''انہی (امور تعیش میں سے) یہ ہے کہ آدمی کثرت کے ساتھ مویشی اور فرنیچر وغیرہ حاصل کرنے کی

کوشش کرے جس کا مقصد ضروریات کی تکمیل نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے نمائش اور ان پر فخر کرنا ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا ایک بستر اس کے لیے، دوسرا اس کی بیوی کے لیے، تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے ہے۔ آپؐ نے فرمایا کچھ اونٹ (سواریاں) شیطان کے لیے اور کچھ گھر شیطان کے لیے ہیں۔"

اس کا حاصل یہ ہے کہ املاک و ساز سامان میں جس قدر ممکن ہو، کمی ایک مستحسن چیز ہے۔ اس سے مادی ساز وسامان کی طلب میں سبقت کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے اور غریبوں اور ناداروں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، ضروریات سے زائد اشیاء جمع کرنے سے ملک وقوم کی دولت غیر پیداواری کاموں پر خرچ ہوتی ہے، جو معاشرتی ابتری کا باعث ہے۔ اس سے ایک طرف دولت کا ارتکاز ہوتا ہے، دوسری طرف ملک میں سرمایہ کاری کم ہونے کی بنا پر بیروزگاری بڑھتی ہے، جس سے غربت و افلاس میں اضافہ ہوتا ہے۔

۷۔ بنیادی انسانی ضروریات کا معیار اور فکر شاہ ولی اللہ:

۱۔ انسان کو بنیادی طور پر کھانے کے لیے خوراک، پہننے کے لیے لباس اور رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے نکاح کو بھی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔

ولو ان انسانا نشأ ببادية نائية عن البلدان ولم يتعلم من احد رسما كان له لاجرم حاجات من الجوع والعطش والغلمة واشتاق لا محا لةالى المرأ ة ولابد عندصحّة مزاجهما ان يتولدبينهما اولاد،ويضم اهل ابيات وينشأ فيهم معاملات ۔(۱۱)

"اگر ایک انسان آبادیوں سے دور جنگل میں پیدا ہو، کسی سے رسم و رواج نہ سیکھا ہو تب بھی اس کو بھوک پیاس اور جنسی خواہش پوری کرنے کی حاجت ضرور ہوگی اور وہ گرمی سردی اور بارش سے بچنے کے لیے کسی مکان کا محتاج ہوگا، چنانچہ جنسی خواہش عورت سے تعلق پر مجبور کرے گی دونوں کے صحیح مذاق سے اولاد پیدا ہوگی اس طرح کئی گھر آباد ہوں گے اور یوں معاملات اور لین دین کی ضرورت پڑے گی۔"

۲۔ شاہ صاحب کے نزدیک خوراک کے معاملے میں صفائی ستھرائی اور صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے سادہ کھانا اور سادہ زندگی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی عادات اور میانہ روی بیان کرتے ہیں، اور تکلفات کے منفی اثرات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم ان النّبى صلى الله عليه وآله وسلم بعث فى العرب وعاد اتهم اوسط العادات ولم

يكونوا يتكلّفون تكلّف العجم والا خذ بها احسن وادنى الاّ يتعمّقوا فى الدنيا ولا يعر ضوا عن ذكراللّه۔(۱۲)

''یاد رکھو آنحضرت ﷺ کو عرب میں معبوث کیا گیا جن کی عادات خوردونوش میں توسط اور میانہ روی تھی۔ وہ لوگ عجمی متمدن اقوام کی عادات کے خوگر نہ تھے۔ ان کا طریقہ زندگی سادگی کی وجہ سے بہت عمدہ تھا کیونکہ تکلفات کی وجہ سے انسان عیش پرستی میں مبتلا ہوکر یاد الٰہی سے غافل ہوجاتا ہے۔''

۳۔ لباس کو شاہ صاحب انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیتے ہیں لیکن اس کا مقصد بدن کو سردی گرمی (موسمی اثرات) سے بچانا اور زینت حاصل کرنا ہے، نمود ونمائش اور تفاخر نہیں۔ لکھتے ہیں۔

فمن تلك الرّء وس اللبّاس الفاخر فانّ ذلك اكبر همهم واعظم فخرهم ۔قال صلى الله عليه وسلم لا ينظر الله يوم القيامة الى من جرّ ازاره بطرا۔وقال من لبس الحرير فى الدنيا لم يلبسه يوم القيامة۔ وايضاً نهى النبى ﷺ عن لبس الحرير والد يباج وعن لبس القسى والمياثروالارجوان و رخّص فى موضع اصبعين او ثلا ثة ۔(۱۳)

''ان پرتکلف اشیاء میں سے ایک لباس فاخرہ ہے لباس سے مقصود بدن ڈھانپنا اور زینت حاصل کرنا ہے اکثر لوگوں کا مقصود سب سے زیادہ فخر کرنا ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالی اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں کرے گا جو تکبر کے باعث چادر گھسیٹتا چلے۔ لباس میں بے جا تکلف کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس میں نرم، عمدہ اور نادر ریشم استعمال کی جائے آپؐ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم کا لباس پہنا قیامت کے دن اسے لباس نہیں پہنایا جائے گا۔ یہ بھی آپؐ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حریرہ، دیباج، قیسی، میاثر، ارغوان جیسے قیمتی لباس سے منع فرمایا ہے البتہ دو تین انگلیوں کے برابر کپڑا استعمال کرنے کی رخصت ہے۔''

۴۔ مکان کی تعمیر کے بارے میں شاہ صاحب اہل عجم کی طرح بے جا اخراجات، فضول آرائش وزیبائش اور جاہلیت جیسے بے جا تکلف سے منع کرتے ہیں اور اسے معاشی نقصان خیال کرتے ہیں، البتہ حسب ضرورت ایسا گھر جو موسمی اثرات سے محفوظ رکھے، اسے بنیادی ضرورت قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”ومنها التطاول فى البنيان و تزويق البيوت و زخر فتها فكانوا يتكلّفون فى ذالك غاية التكلّف ويبذلون اموالاً خطيرة فعالجه النبى ﷺ بالتغلط الشّديد وقال عليه الصلوٰة

السلام ان الله لم يامرنا ان نكسوا الحجارة والطين۔ " (١٤)

''ان اہل عجم کی ایک بڑی خرابی بلند و بالا عمارات کی تعمیر تھی اور مکانات کو نقش و نگار اور رنگوں سے مزین کرنا تھا۔ وہ اس سلسلہ میں بہت تکلف سے کام لیتے تھے اور گھر کی زینت پر کثیر مال خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شدید تنبیہہ کے ساتھ اس کی ممانعت کی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں دیا۔''

بنیادی ضرورتیں ہر شخص اور ہر زمانے کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی صاحب حیثیت فرد کے لیے کار بنیادی ضرورت ہو، لیکن عام آدمی کے لیے تعیش میں آتی ہو۔ اس کا تعین ہر زمانے کے لحاظ سے مختلف ہوگا۔ تاہم فکر شاہ ولی اللہ یہ ہے کہ کسی بھی چیز پر ضرورت سے زائد خرچ کرنا، نمود و نمائش اور تفاخر کے لیے خرچ کرنا معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے آپ پر تعیش زندگی سے روکتے ہیں۔

۸۔ پر تعیش زندگی کی ممانعت:

شاہ ولی اللہ عیش و عشرت پر مبنی طرز زندگی کو کسی بھی معاشرے کے لیے ہلاکت بتاتے ہیں۔ معاشرے کی پر تعیش زندگی کے تباہ کن اثرات کو ایک متعدی مرض قرار دیتے ہیں۔ جو پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وكذلك من مفا سد المدن ان ترغّب عظماؤهم فى دقائق الحلى واللباس والبنا ء والمطاعم وغيد النساء و نحوذلك زيادة على ما يعطيه الا رتفاقات الضرورية التى لا بدّللناس منهاو اجتمع عليها عرب الناس وعجمهم ـفيكتسب الناس بالتصرّف فى الامور الطبيعية لتتأ تى منها شهو ا تهم فينتصب قوم الى تعليم الجوارى للغناء والرّ قص والحركات المتناسبة اللذيدة و آخرون الى الالوان المضطربة فى الثياب و تصوير صورالحيوانات والا شجارالعجيبة والتخاطيط الغريبة فيها وآخرون الى الصناعات البديعة فى الذهب والجواهر الرّفيعة وآخرون الى الأبنية الشامخة تخطيطها و تصويرها۔(١٥)

''تمدن کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ کسی ملک کے اہل ثروت ارتفاقات ضروریہ سے تجاوز کر کے عیاشی کے لوازم کو فروغ دیں۔ مثلاً قسم قسم کے کھانوں کی تیاری، زرق برق لباس، انواع و اقسام کے زیورات، سامان آرائش اور شاندار عمارات کو ترقی دینے کے لیے اپنی توجہ مرکوز کر دیں۔ چنانچہ

لوگ امور طبیعہ میں تصرف کر کے ایسے کاروبار کرنے لگتے ہیں جن میں امراء اور عظماء کی خواہشات پوری ہوں۔ لہٰذا کچھ لوگ لڑکیوں کو موسیقی و رقص اور متناسب و لذیذ جسمانی حرکات کی تعلیم دینے لگ جاتے ہیں، کچھ کپڑوں میں بھڑکیلے رنگ اور نقش و نگار اجاگر کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ مصوری اور اشجار و حیوانات کی رنگا رنگ تصاویر بنانے اور کچھ سونے چاندی کے زیورات کے لیے ڈیزائن بنانے اور بہت سے لوگ بلند و بالا عمارات کی تعمیر و تزئین اور نقش و نگار میں کمال دکھانے کے لیے مصروف ہو جاتے ہیں۔''

شاہ صاحب کے نزدیک جب قوم کی اکثریت ایسے عیش و عشرت کے مشاغل میں اپنی محنت ضائع کرنے لگے تو زراعت، صنعت، تجارت اور معاشی ترقی کے دیگر شعبوں سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور تمام قوم کو اس کے برے نتائج سے واسطہ پڑتا ہے، وہ ایسے امور کو تمدن کے لیے تباہ کن خیال کرتے ہوئے ان جیسے ذرائع کسب پر قدغن لگاتے ہیں اور ایسے امور کو ملک کے لیے ایک موذی مرض قرار دیتے ہیں۔ جس سے پورا ملک متاثر ہوتا ہو جیسے دیوانے کتے کا زہر انسان کے پورے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔

۹۔ بیت المال پر امانت کا تصور:

کسی بھی ملک کی معیشت کی ترقی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ ذرائع آمدن زیادہ اور اخراجات کم ہوں۔ شاہ صاحب بیت المال پر کم بوجھ کے لیے ملازمین کی تعداد کو بقدر ضرورت رکھنے کے حامی ہیں۔ ساتھ ہی بیت المال سے مفت خوری کے خلاف ہیں۔ دوسری طرف حاکم اور امام کو بقدر ضرورت بیت المال سے لینے کے حق کو تسلیم کرتے ہیں، مگر آپ حاکم کے اخراجات کے لیے ایک قابل عمل تجویز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والأ حسن ان ينتخب الإمام لنفسه مواتا بحييه وصرمة من المواشي يقتنيها، لأن ذلك انفع له واقرب إلى يساره واسهل على قوم۔(١٦)

بہتر یہ ہے کہ امام بیت المال یا سرکاری خزانے سے لینے کے بجائے ایک غیر آباد زمین منتخب کرے جس کو آباد کرا کے اس کی آمدنی ذاتی ضروریات میں صرف کرے اسی طرح اس کے پاس چوپاؤں کے ریوڑ ہوں اور ان سے فائدے حاصل کرے کیونکہ یہ اس کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش اور سودمند ذریعہ ہے اور قوم کے لیے بھی آسان اور قابل برداشت ہے۔

گویا سربراہ حکومت سرکاری خزانہ پر بوجھ بننے کی بجائے محنت سے دیگر وسائل پیدا کرے۔ کسی بھی ملک کی خرابی اور بربادی کے اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وغالب سبب خراب البلدان فی هذا الزمان شیئا ن احدهما تضییقهم علی بیت المال بان یعتا دواالتکسب بالا خذ منه علی انهم من الغزاة اومن العلما ء الذین لهم حق فیه اومن الذین جرت عادة الملوك بصلتهم كالزّهاد،والشّعراء او بوجه من وجوه التکدی۔ انما تصلح المدینة بالجبایة الیسیرة واقامة الحفظة بقدر الضرورة (۱۷)

اس زمانے میں ملک کی خرابی اور بربادی کے دو اسباب ہیں۔ایک بیت المال پر تنگی،لوگوں کو عادت پڑ گئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانے سے اس دعویٰ سے روپیہ حاصل کریں،کہ وہ سپاہی ، عالم خزانے پر حق رکھنے والے ہیں،یا جن کو بادشاہ خود انعام و اکرام دیا کرتے ہیں جیسے زاہد، پیشہ ورصوفی اور شاعر۔۔۔۔شہری زندگی کی بہتری اسی میں ہے کہ ٹیکس کم اور ہلکے ہوں اور ملازمین ومحافظین کی تعداد ضرورت کے مطابق ہو۔‘‘

شاہ صاحب کے افکار سے ملک پاکستان کی عکاسی ہوتی ہے کہ حکومتی سر پرستی میں جو صنعتیں اور ادارے کام کر رہے ہیں، وہ ملازمین کی ضرورت سے زائد بھرتی کی بناء پر خسارہ میں جا رہے ہیں۔مثلاً واپڈا، ریلوے، پی آئی اے، پاکستان سٹیل ملز وغیرہ۔موجودہ دور اور حالات میں محکمہ ڈاک بھی شامل ہے، کہ آج موبائل فون اور ایس ایم ایس کی وجہ سے خط لکھنے کا رواج تقریباً ختم ہوگیا ہے،لیکن ملازمین اسی طرح موجود ہیں، جو خزانہ پر بوجھ ہیں۔

۱۰۔منصفانہ نظام احتساب:

ایک اعتبار سے تو ہر مسلمان محتسب ہے ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بازار کا معائنہ کرتے ہوئے احتساب کرتے ۔آپ ﷺ کے بعد با قاعدہ محتسبین کا تقرر عمل میں لایا گیا۔شاہ صاحب کسی بھی ملک کی بدحال معیشت کو بحال کرنے کے لیے ایک قابل عمل اور موثر اصول مسلسل احتساب کا پیش کرتے ہیں ،جس میں قانون کی خلاف ورزی ، بد دیانتی اور فرائض میں غفلت پر سزا دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔اسی طرح ملازمین اور حکومتی حکام کی اعلیٰ کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا حکمرانوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔فرماتے ہیں ۔

والملك مع ذلك یحتاج الی ایجاب طاعته بالانتقام ممن عصا ه فمهما استشعر من رجل کفایةً فی حرب او جبایة اوتدبیرٍ فلیضا عف عطاء ه و یر فع قدره، ولبسط له بشره، وفمهمااستشعر منه خیانة وتخلفا وانسلا لًا فلینقص من عطائه ولیخفض من قدره، ولیطوعنه بشره۔ (۱۸)

’’اس کے ساتھ ساتھ حکمران کے لیے ضروری ہے کہ نافرمانی (قانون شکنی) کرنے والوں سے بدلہ لے کر اپنی اطاعت (قانون پر عمل) کو لازمی اور ضروری بنائے چنانچہ کسی آدمی کی جنگ ، وصولی

واجبات اور ملکی تدبیر میں سرگرمی (کارکردگی) دیکھے تو اس کی تنخواہ میں اضافہ کرے اس کو ترقی دے اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ اور جب اس میں کوئی خیانت یا فرائض میں غفلت یا اطاعت سے انحراف دیکھے تو اس کے معاوضہ میں کمی، اس کی قدر و منزلت گھٹا دے۔ اور اس سے سختی سے پیش آئے''

فکر شاہ ولی اللہ کی روشنی میں اگر حکومت اہلکاروں سے لے کر افسران تک۔ عوام سے لے کر حکمرانوں تک تمام افراد کا احتساب کرے اور جرم ثابت ہونے پر سزا دے تو اس سے نہ صرف بددیانتی، خیانت، فرائض سے غفلت اور قانون شکنی ختم ہو سکتی ہے، بلکہ ان بداخلاقیوں کی وجہ سے جو معاشی مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان کا خاتمہ یقینی ہے۔ پاکستان میں نہ کسی کا احتساب ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی جزا و سزا ملتی ہے۔ حکومتی وزیر بجلی کا ۲۲ فروری ۲۰۱۴ء کے اخبار میں بیان ہے کہ

دوسو بیالیس ارب روپے کی سالانہ بجلی چوری ہوتی ہے۔ اتنی رقم سے تین ڈیم بن سکتے ہیں۔ (۱۹)

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ بجلی چوری محکمہ کے اہلکاروں و افسران کی ملی بھگت یا سیاسی افراد کی پشت پناہی اور امداد کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر احتساب ہو اور جرم ثابت ہونے پر سزا کو ہر حالت میں اور ہر کسی پر نافذ کر دی جائے تو ملک سے ہر قسم کی بددیانتی، فرائض سے غفلت اور لاپرواہی ختم ہو سکتی ہے، اور آئندہ کسی کو اس طرح کی حرکات کرنے کی جرأت نہ ہو گی۔ احتساب سے بھی ہمارے معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

۱۱۔ ملازمین کی تنخواہیں اور مراعات:

ملازمین کی تنخواہوں کے بارے میں شاہ صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نہ اس قدر کم ہو کہ ان کی ضرورت زندگی پوری نہ ہوتی ہوں اور وہ بددل ہو جائیں اور نہ اتنی زیادہ ہو کہ بیت المال ان کا بوجھ برداشت نہ کر سکے۔ لکھتے ہیں:

فاذا بعث الامام العامل فی صدقات سنة فلیجعل فیها مایکفی مؤنته ویفضّل فضل بقدربه علی حاجة من هذه الحوائج، فانّ الزائد لا حدّ له، والمؤنة بدون زیادة لا یتعانی لها العامل، ولا یرغب فیها۔ (۲۰)

''جب امام کسی کو سال کے لئے عامل بنا کر بھیجے تو اس قدر روزینہ مقرر کرے جو اس کے خرچ کے لیے کافی ہو، اس سے اتنی بچت کر سکے کہ اس سے ضروریات زندگی پوری کر سکے۔ تعین کی ضرورت اس لیے ہے کہ زائد کی تو کوئی حد نہیں اور اگر یہ مقدار مناسب سے کم ہو تو عامل کم معاوضہ پر کام کرنا پسند نہیں کرے گا۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملازمین کو حسب حال روزینہ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ شاہ صاحب بعض حالات میں مشاہرہ کے علاوہ دیگر سہولیات مثلاً خادم، مکان اور علاج معالجہ وغیرہ فراہم کرنا بھی ریاست کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔

۱۲۔ادارۂ رفاہ عامہ کا قیام:

شاہ صاحب شہری زندگی کے لیے رفاہ عامہ کے ادارہ کو ضروری قرار دیتے ہیں اور ان اداروں کے لیے وسائل کی فراہمی بھی ریاست کی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

ومن تلك الأشياء سد الثغور واقامة الحصون والأسرار والأسواق وبناء القناطر وكسرى الأنهار(ج) وتزويج اليتامى وحفظ اموالهم وقسمة الصدقات على ذوى الحاجات وقسمة الشركات فى الورثة، وكذلك معرفة الرعية التقدم بجواب ما يلقى إلى القوم جميعا والخرج وامثال ذالك ويسمى بالتولى وبالنقابة، وصاحبها بالمتولى والنقيب۔(۲۱)

شہری نظام کے رفاعی اداروں میں سے کچھ یہ ہیں، سرحدات پر چوکیاں قائم کرنا اور سرحدات کو محفوظ رکھنا۔ فوج کے لیے مضبوط قلعوں کی تعمیر۔ شہروں کے اردگرد فصیلوں کی تعمیر کرنا۔ (تجارت کو فروغ دینے اور ضروریات زندگی کو مہیا کرنے کے لیے) بازاروں اور تجارتی منڈیوں کا قیام۔ (زراعت اور کھیتی باڑی اور آمدورفت کے لیے نہریں کھودنے اور دریاؤں پر بند اور پل باندھنے کا انتظام)۔ (بیواؤں کے حقوق اور) یتیموں کی خانہ آبادی اور انکے اموال اور جائیدادوں کی دوسروں کے ظلم سے حفاظت۔ (بیت اللہ میں جمع شدہ مال و) صدقات کی مد سے حاجتمندوں کی اعانت، وارثوں کے درمیان (شرعی قانون وراثت کے مطابق) مال متروکہ تقسیم کرنا۔ پوری قوم کی پسندیدہ اسباب ترقی اور دیگر اجتماعی امور خیر سے خبردار رہنا۔ مالیہ (اور دیگر ٹیکس) وصول کرنے اور ان کو ٹھیک طور سے خرچ کرنے کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا وغیرہ۔ یہ ضرورت اصطلاحاً تولی اور نقابت کہلاتی ہے اور جس صاحب اختیار حاکم کو اس کا انتظام سپرد ہوتا ہے وہ متولی اور نقیب کہلاتا ہے۔

شاہ صاحب معاشی ترقی کے لیے سرائے تعمیر کرنا، دریاؤں پر پل تعمیر کرنا، اہل شہر کی ضرورت کے لیے بازار غرض ایسی تعمیرات پر توجہ دینے کا ریاست کو پابند کرتے ہیں جن کا تعلق رفاہ عامہ سے ہو۔ فرماتے ہیں۔

ومن باب كمال الحفظ بناء الابنية التى يشتركون فى الانتفاع بها كالا سوار والر بط والحصون والثغور والا سواق والقناطر ومنه حفر الآ با رو استنباط العيون وتهيئة السفن على سوا حل الانهار۔ (٢٢)

''مسافروں کے لیے ہر شہر میں وہ ایسی تعمیرات پر توجہ دے۔جن کا تعلق رفاہ عامہ سے ہو مثلاً شہر بنانا، فصیل کا تعمیر کرنا، اہل شہر کے لیے بازار، مسافروں کے لیے ہر شہر میں سرائے تعمیر کرنا، جہاں پانی کی کمی ہو کنواں کھدوانا، دریاؤں پر پل بنانا اگر ایسا نہ ہو تو گھاٹ پر کشتیوں کا مناسب تعداد میں رہنا ریاستی ذمہ داری ہے۔''

یہ اور اس جیسے تمام امور معاشی ترقی کے لیے ضروری ہیں اور کوئی بھی حکومت ان سے صرف نظر کر کے معاشی استحکام حاصل نہیں کرسکتی۔آج کے دور میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی ہے کہ میونسپل کمیٹی اور دیگر رفاعی اور مالیاتی اداروں سے ہی زندگی کی مشکلات پر قابو پانا ممکن ہوسکتا ہے۔

۱۳۔ٹیکسوں کی ضرورت اور فکر شاہ ولی اللہؒ:

حکومت کو سرکاری اخراجات اور عوام الناس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اور دیگر سہولتیں فراہم کرنے کے لیے ٹیکس لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس کے لیے اسلام میں نوائب یا نوازل کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ بھی ٹیکسوں کی ضرورت اور معقولیت کے قائل ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک عوام خلیفہ (حکمران) کے محتاج ہوتے ہیں۔ان کی تمام ضروریات مثلاً آج کے دور میں تعلیم وصحت کی سہولیات، ذرائع رسل و رسائل، بجلی، سوئی گیس، پُل، ڈیم بڑی بڑی صنعتیں وغیرہ حکومت ہی فراہم کرسکتی ہے۔لکھتے ہیں:

وصار جمهور النّاس عيا لاً على الخليفة يتكففون منه تارة على۔(٢٣)

''تمام لوگ خلیفہ کے محتاج ہوتے ہیں۔وہ خلیفہ سے ضروریات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

اسی طرح حکومتی عہدیداران اور فوجی وسول ملازمین کی ضروریات عوام پوری کرنے کی ذمہ دار ہے۔اور ظاہر ہے اس کے لیے ان سے ٹیکس وصول کیا جائے گا۔لکھتے ہیں۔

ولما كان الإمام واعوانه محصورين على حوائج القوم وجب ان يكون مؤنة معاشهم على المدينة، لأنهم اجراء يعملون العمل النافع كمثل سائر الأجراء، فإذن لابد من جباية الأموال من المدينة۔ (٢٤)

چونکہ امام اور اس کے ساتھ کام کرنے والے عہدہ داروں نے اپنی زندگیاں قوم کی خدمت اور ان

کی ضروریات پوری کرنے کے لیے وقف کر رکھی ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے لوازم حیات اور معاشی حاجتوں کا بوجھ قوم پر ڈالا جائے ان کی مثال اجیروں (اجرت پر مزدوری کرنے والوں) کی ہے جو قوم وملت کے لیے مفید خدمات انجام دے کر اس کا معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے عام لوگوں سے مالیہ (اور ٹیکس) وصول کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

ٹیکسوں کی آمد وخرچ کے لیے ایک مخصوص جگہ، (بیت المال) اور اس کے نظام کار کی وضاحت آپ یوں کرتے ہیں۔

وليجعل للمال الذى يجبى إليه بيتا يجتمع فيه، ليكون عدة لنوائبهم۔(۲۵)

امام کو چاہیے کہ ایک بیت المال بنائے جس میں مالیہ وغیر وصول کردہ اموال کو بحفاظت جمع کر سکے اور ان میں سے بوقت ضرورت مناسب طریقہ پر خرچ کر سکے۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک حکومتی ضروریات کے علاوہ بھی حکمرانوں کی پرتعیش زندگی، نمود ونمائش، بے جا اسراف، عزیز واقارب کا ناجائز عطیات اور فوائد پہنچانا بھی عوام پر بھاری ٹیکس لگانے کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کا پیسہ جب رقص وسرور کی محافل، بلند و بالا عمارات کی تعمیر اور آرائش، عیش وعشرت میں خرچ ہوگا تو اس سے ٹیکسوں میں مزید کئی گناہ اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

فيكتسب الناس با لتصرف فى الا مور الطبيعية لتتأتى منها شهو اتهم۔ وتضاعف الضّرائب عليهم۔(۲۶)

''چنانچہ لوگ امور طبیعہ میں تصرف کر کے ایسے کاروبار اختیار کریں گے کہ جن سے امراء اور عظماء کی خواہشات پوری ہوں۔ چنانچہ کچھ لوگ لڑکیوں کو گانے بجانے، رقص اور حرکات متناسبہ لذیذہ سکھانے میں لگ جائیں گے اور دوسرے لوگ عجیب وغریب درختوں کی تصویریں بنانے اور نقش و نگار بنانے میں لگ جائیں اور کچھ لوگ سونے اور قیمتی جواہرات میں نئی نئی صنعتیں پیدا کرنے لگیں اور کچھ لوگ بلند عمارتیں بنانے، ان میں نقش و نگار اور تصاویر بنانے میں مشغول ہو جائیں تو اسی تناسب سے دوسری صنعتوں مثلاً زراعت اور تجارت میں کوتاہی ہوگی۔ اور جب بزرگان شہر ان چیزوں پر مال خرچ کریں گے تو اسی قدر شہری مصلحتوں میں کوتاہی ہوگی آخر کار ضروری پیشوں سے منسلک لوگوں مثلاً کاشت کاروں، تاجروں اور صنعت کاروں پر سخت تنگی ہوگی اور ان پر ٹیکسوں میں

کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔''

شاہ ولی اللہ کے نزدیک اگر امراء وحکمران طبقہ تعیّشانہ زندگی چھوڑ دے، جس کی کہ اسلام نے ممانعت کی ہے، تو بھاری بھر کم ٹیکس لگانے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ لکھتے ہیں۔

وان شئت ان تعرف حقیقة هذا المرض فانظرالی قوم لیست فیهم الخلافة، ولاهم متعمقون فی لذائد الا طعمة و الالبسّة تجد کلّ واحد منهم بیده امره ولیس علیه من الضرّائب الثقیلة مایثقل ظهره (۲۷)

''اس مرض (ٹیکس کی بہتات) سمجھنے کے لیے اس قوم پر نظر کیجیے جس میں خلافت کا نام نہیں اور نہ ہی وہ لوگ طعام ولباس کی لذتوں میں مستغرق ہیں۔ اس قوم میں سے تم ہر ایک کو آزاد پاؤ گے اور ان پر ایسے بھاری ٹیکس بھی نہیں ہوں گے جو ان کی کمر توڑ دیں۔''

پاکستان میں بھی آج صورتحال شاہ ولی اللہ کے خیالات سے مختلف نہیں ہے۔ حکمران بیت المال کو ذاتی مال سمجھ کر خرچ کرتے ہیں۔ اور اخرجات کے لیے بیرونی طاقتوں کے محتاج رہتے ہیں۔ ان سے قرضے لینے کے لیے جاتے ہیں تو بھی ان کا انداز شاہانہ ہوتا ہے۔ دوروں پر لاکھوں ڈالر خرچ کرتے ہیں اور جہاز بھر کر نمائندوں اور رشتہ داروں کو لے جاتے ہیں۔ سرکاری خرچ پر عیاشی کرتے ہیں اور پھر IMF اور ورلڈ بینک کے غلام بن جاتے ہیں اور عوام پر ٹیکسوں کا ایسا اضافہ کرتے ہیں کہ عوام کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ بھاری مقدار میں ٹیکس لگانے کو ڈکیتی قرار دیتے ہیں لکھتے ہیں۔

واخذ العشر النهك بمنزلة قطع الطّریق بل اقبح۔(۲۸)

''بھاری مقدار میں عشر (ٹیکس) لگانا ایک طرح کی ڈکیتی ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر کام ہے۔''

۱۴۔ ٹیکس وصول کرنے کے اصول:

شاہ ولی اللہ نے ٹیکس کی ضرورت کو ہی بیان نہیں کیا بلکہ ٹیکس وصول کرنے کے اصول بھی اپنی کتاب میں مختلف جگہوں پر بیان فرمائے، وہ ٹیکس وصول کرنے والے عمال کی تقرری کا سبب بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ یا حکمران یہ کام خود نہیں کر سکتا۔ وہ وصولی ٹیکس کو یقینی بنانے کے لیے مال آفیسر اور عمال کی تقرری کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ثم ان الا مام لمّا کان لا یستطیع بنفسه ان یباشر جبایة الصّدقات واخذ العشور وفصل القضاء فی کل ناحیة وجب بعث العمّال والقضاة۔(۲۹)

''چونکہ حکمران کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ مختلف علاقوں سے صدقوں اور اشیاء تجارت پر درآمدی

وبرآمدی ٹیکسوں وغیرہ کی آمدنی کی وصولی خود کرے۔اور وہ علاقے میں جا کر ان کے فیصلے کرے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے لیے عمال مقرر کرے۔''

ٹیکس وصول کرنے والے عامل کی تقرری ہی کو ضروری قرار نہیں دیا، بلکہ اس پر مقرر ہونے والے شخص کو اس کام میں ماہر ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

والعامل وليكن عارفاً بكيفية جباية الا موال وتفريقها على المستحقين۔(۳۰)

''اور عامل ایسا ہونا چاہیے جو اموال کا ٹیکس وصول کرنے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے کے طریقوں کا خوب ماہر ہو۔''

آپ کی درج بالا عبارت سے واضح ہے، کہ عامل اور اس طرح کے عہد یداروں کا اپنے شعبہ جات کے اندر کمال اور مہارت رکھنا ضروری ہے۔آپ کے بیان کردہ عہدے اس زمانے کی مناسبت سے ہیں، ورنہ یہ ایک بدیہی امر ہے، کہ ارتقاء تمدن کے ساتھ کئی اور منصب بھی وجود میں آتے ہیں اور ایک منصب کے لیے کئی عہدے داروں کی ضرورت بھی پڑسکتی ہے۔کبھی ایک ہی شخص کو کئی محکموں کی نگرانی سونپی جاسکتی ہے۔آپ ٹیکسوں کے نظام پر کڑی نظر رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، اور ٹیکس کی وصولی میں عدل وانصاف پر زور دیتے ہیں۔

وليراع الا ما م فى ذلك لعدل وليجتنب الجور و الا عتصاب والمصادرة وليجعل لذالك سنة تكفى مونة الا عوان ولا تضرهم وذالك يختلف باختلاف الا شخاص۔(۳۱)

''امام کو اموال کے جمع کرنے میں عدل وانصاف کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ظلم، غصب اور جبر سے پرہیز کرنا چاہیے۔جمع شدہ اموال کے لیے ایسا طریقہ رائج کرنا چاہیے، جو اس کے معاونین (حکومتی اخراجات) کی ضرورت کے لیے بھی کافی ہو، اور عوام کو بھی ضرر نہ پہنچے، اور ان ٹیکسوں پر مقدار مختلف اشخاص اور اموال کے پیش نظر مختلف ہوسکتی ہے۔''

اس طرح شاہ صاحب نے ٹیکس وصول کرنے میں سختی کی بجائے نرمی کا حکم دیا ہے اور عامل کو ٹیکس وصولی میں خیانت کرنے اور رشوت لے کر ٹیکس کی رقم کم کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ٹیکسوں کے وصول کرنے میں رشوت وبدعنوانی کا احتمال غالب رہتا ہے۔چنانچہ آپ پر زور انداز میں رشوت اور بدعنوانی سے گریز کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔وہ تحریر کرتے ہیں۔

وليراع الإمام فى ذلك العدل، وليجتنب الجور والا غتصاب (ج) والمصادرة، وليجعل لذلك سنة تكفى مونة الأعوان، ولا يضرهم، وذلك يختلف باختلاف

الأشخاص۔(۳۲)

تاہم ٹیکس کی شرح ومقدار معین کرنے میں امام ظلم وجور سے اجتناب کرے اور عدل وانصاف (اوراحسان وشفقت) سے کام لے تاکہ کسی کے لیے اس کا ادا کرنا بارگراں اور ناقابل برداشت نہ ہو۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ مالیہ کی وصولی کا ایک مقررہ ضابطہ ہو (جسے ہر خاص وعام جانتا ہو اور) جو ایک طرف معاونین کے اخراجات کے لیے کافی ہو، اور دوسری طرف عوام کے لیے ضرر رساں نہ ہو۔ ایسا قاعدہ یا قانون ہر جگہ اور ہر قوم کے لیے یکساں نہیں ہوسکتا۔ کسی جگہ طریقہ وصولی ایک قسم کا ہوگا اور شرح ومقدار بھی مخصوص ہوگی۔ اور دوسری جگہ طریقہ اور شرح ومقدار مالیہ کی دوسری صورت ہوگی۔

عہدے کی وجہ سے مطلب براری کے لیے منصب داروں کو تحفوں سے نوازا جاتا ہے۔ یہ دراصل رشوت ہی کا ایک مہذب طریقہ ہے جو ناجائز ہے، آپ ایک حدیث کا حوالہ دے کر اسے رشوت اور حرام بتاتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں۔

وقال النبی ﷺ من استعملنا ہ علی عمل فرزقناہ رزقا، فما اخذ بعد ذلك فھو غلول۔(۳۳)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ہم کسی ملی کام پر عامل مقرر کرتے ہیں۔ اور پھر اس کو قانون اور ضابطے کے مطابق روزینہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد اگر وہ خلاف قانون کچھ لے گا، تو وہ خیانت ہے۔''

ایک مقام پر آپ محاصلین کی زیادتیوں کو رہزنی سے تعبیر کرتے ہیں۔

واخذ العشورالنھك بمنزلة قطع الطریق بل اقبعه۔(۳٤)

''عشر وزکوٰۃ کی وصولی میں زیادتی کرنا ڈاکہ زنی کے مترادف ہے۔ بلکہ اس سے بھی قبیح تر ہے۔''

ٹیکسوں کی وصولی میں ظلم پورے معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔ اور درجہ بہ درجہ اس کے مضر اثرات پوری مملکت کی چولیں ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔

۱۵۔ٹیکس لگانے کے اصول:

حکومت جب دولت کا غیر پیداواری وسائل پر دوسرے لفظوں میں شان وشوکت، پرتعیش زندگی، VIP کلچر، عزیز واقارب پر نوازشات اور بلاضرورت بے دریغ دولت خرچ کرتی ہے، تو اخراجات میں اضافہ ایک لازمی امر بن جاتا ہے۔ لہٰذا بھاری اخراجات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے پیداواری ذرائع اور ملازمین پر بھاری

ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں، جس سے مہنگائی کا بھوت جنم لیتا ہے اور عام شہری کی زندگی متاثر ہوتی ہے، آپ پیداوار کے ذرائع پر کم سے کم ٹیکس عائد کرنے کے قائل ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

الثّانی ضرب الضّرائب الثقیلة علی الزّراع والتجّار المتحرفة والتّشدید علیهم حتّی یفضی الی اجحاف المطا وعین واستئصالهم والی تمنع اولی بأس شدید وبغیهم(۳۵)

''تمدن کی خرابی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کاشتکاروں، تاجروں اور اہل حرفت پر حکومت نے بھاری ٹیکس لگا رکھے ہیں۔ پھر طرہ یہ ہے کہ ان کے وصول کرنے میں ان کے ساتھ تشدد کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ فرمان بردار اور مطیع رعیت ان ٹیکسوں کے تلے دبتی جارہی ہے، اور ان کی حالت زبوں تر ہوتی جارہی ہے، حتی کہ ایک طبقہ اس تشدد سے تنگ آکر بغاوت پر اتر آتا ہے۔''

ایک اور جگہ ٹیکسوں کی مقدار کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

وانّما تصلح المدینة بالجبایة الیسیرة واقامة الحفظة بقدر الضرورة۔ (۳۶)

''یقیناً شہری زندگی کی بہتری اس میں ہے، کہ ٹیکس کم اور ہلکے ہوں، اور ملازمین (فوج) وغیرہ کی تعداد بقدر ضرورت ہو۔''

شاہ ولی اللہ کی نظر میں عوام پر ٹیکس کم اور ہلکے ہونے چاہیے۔ بھاری ٹیکس لگانے سے ایک طرف عوام کی معاشی حالت کمزور تر ہوتی ہے، دوسری طرف ٹیکس سے بچنے کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل پاکستان میں ہو رہا ہے۔ ٹیکس لگانے میں ایک اصول جس کی طرف دھیان اور توجہ نہیں دی جارہی ہے، وہ ہے آمدنی پر یکساں شرح سے ٹیکس، ٹیکس دینے والے کے افراد خانہ کی تعداد، اس پر انحصار کرنے والے والدین، بیوہ بہن، اس کے بچے، وفات پانے والے بھائی کا خاندان وغیرہ کا خیال کیے بغیر تنخواہ پر یکساں ٹیکس کا نفاذ کر دیا جاتا ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک عدل کے خلاف ہے۔ وہ مختلف اشخاص اور اموال کے پیش نظر مختلف شرح سے ٹیکس کے حامی ہیں۔ لکھتے ہیں۔

ولیجعل لذالك سنة تکفی مونة الا عوان ولا تضّرهم وذالك یختلف باختلا ف الااشخاص (۳۷)

''اور ٹیکسوں سے جمع شدہ اموال کے لیے ایسا طریقہ رائج کرنا چاہیے جو اس کے معاونین کی ضروریات کے لیے کافی ہو اور عوام کو بھی ضرر نہ پہنچے، اور ٹیکسوں کی مقدار مختلف اشخاص کے پیش نظر مختلف ہوسکتی ہے۔''

پاکستان میں ٹیکس دینے والے سب سے زیادہ ملازمین ہیں ۔جبکہ ارکان پارلیمنٹ، جاگیردار، سرمایہ دار، وزراء میں سے ٹیکس دینے والے افراد کی تعداد شرمناک حد تک کم ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں:

''صدر لغاری، وٹو، چھٹہ، بگٹی اور کھرل نے دس سال سے ایک پیسہ زرعی ٹیکس نہیں دیا۔ قائم علی شاہ، مظفر شاہ، صابر شاہ، شاہد خاقان عباسی، نواز کھوکھر، محمود خان اچکزئی، غلام اکبر لاسی اور فیصل صالح حیات نے بھی ٹیکس نہیں دیا۔ پاکستان کے سو سے زائد بڑے جاگیردار اور وڈیرے ایسے ہیں جن کی سالانہ آمدنی پانچ کروڑ روپے سے زیادہ ہے لیکن وہ حکومت کو کسی قسم کا ٹیکس نہیں دیتے۔''(۳۸)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک ملازمین سے ٹیکس زیادہ ضرورت (ایمرجنسی) میں لیا جائے ۔ باقی مالدار افراد سے ٹیکس لیا جائے ۔ لکھتے ہیں۔

والا مرما اجمعت ملوك الا مم من مشارق الا رض ومغاربها ان تكون الجباية من اهل الدثور والقناطير المقنطر ة ومن الاموال النّامية كما شية متناسلة وزراعة و تجارة، فان احتيج الى اكثر من ذالك فعلى رؤ س الكاسبين۔ (۳۹)

''ایک خاص امر جس پر تمام مشرق ومغرب کے بادشاہوں کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ خوشحال لوگوں سے ٹیکس لیا جائے اور سونا چاندی اور بڑھنے والے اموال مثلاً نسلی چوپاؤں ، زراعت اور تجارت میں سے ٹیکس وصول کیا جائے اور اس سے زیادہ کی حاجت آن پڑے تو کمانے والوں (ملازمین) پر کچھ ٹیکس عائد کر دیا جائے ۔''

اسی طرح ٹیکس لگانے کا ایک اور طریقہ جو درست نہیں وہ ہے بلا واسطہ ٹیکس ، جسے سیلز ٹیکس کہتے ہیں کہ حکومت ہر چیز پر ٹیکس لیتی ہے۔مثلاً ماچس خریدنے والا بھی اس پر ٹیکس ادا کر رہا ہے، اگر چہ وہ فقیر اور محتاج ہی کیوں نہ ہو۔شاہ ولی اللہ ٹیکس لگانے کے اس اصول کو نامناسب خیال کرتے ہیں۔لکھتے ہیں ۔

ولا ينبغى ان يضرب على كل احد و فى كل مال ـ(٤٠)

''اور یہ نامناسب ہے کہ ہر شخص اور ہر مال پر ٹیکس لگا دیا جائے ۔''

زرعی انکم پر ٹیکس پاکستان میں ابھی تک اٹکا ہوا ہے ہر زمیندار کو مالیہ ادا کرنا پڑتا ہے ۔ چاہے وہ بڑی زمین کا مالک ہو یا چھوٹی زمین کا ۔اس کے برعکس بڑے بڑے زمیندار جیسا کہ پہلے گزر چکا کروڑوں روپے آمدنی حاصل کرنے کے باوجود زرعی ٹیکس نہیں دیتے ۔شاہ ولی اللہ دیگر مالدار افراد کے ساتھ زراعت پر بھی ٹیکس کے حامی ہیں۔

لکھتے ہیں۔

والا مرما اجمعت ملوك الامم من مشارق الارض ومغاربها ان تكون الجباية من اهل الدثور والقناطير المقنطر ة ومن الاموال النّامية كما شية متناسلة وزراعة وتجارة (٤١)

''ایک خاص امر جس پر تمام مشرق ومغرب کے بادشاہوں کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ خوشحال لوگوں سے ٹیکس لیا جائے سونا چاندی اور بڑھنے والے اموال پر مثلاً نسل دار چوپاؤں ،زراعت اور تجارت میں سے ٹیکس لیا جائے۔''

ٹیکس کے بارے میں شاہ ولی اللہ کی فکر پر پاکستان میں اگر عمل کیا جائے تو اس سے نہ صرف ٹیکس کے نظام میں بہتری آسکتی ہے، بلکہ عوام کے اوپر سے ٹیکس کا بوجھ بھی کم ہوسکتا ہے۔اور ٹیکس سے وصول ہونے والی آمدنی میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

شاہ ولی اللہؒ نے مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے خصوصاً معاشی مسائل پر جو گفتگو کی اور جو اصول مرتب کئے ان پر عمل کیا جائے تو پاکستان میں اقتصادی نظام کی اصلاح ممکن ہوسکتی ہے۔جن میں صالح اور مستحکم حکومت کا قیام ،ملک میں امن وامان کا قیام بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔حکمران طبقہ کا اخلاقی و دینی معیار مثالی ہونا چاہیے۔تمام اعلیٰ سرکاری عہدوں پر تقرری میں میرٹ کوملحوظ خاطر رکھا جائے۔تعلیم اور کفالت عامہ حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔پیشوں کے انتخاب میں توازن اور غیر اخلاقی پیشوں کی ممانعت ہونی چاہیے۔عوام وخواص پر زائد از ضرورت اشیاء جمع کرنے اور پُرتعیش زندگی پر پابندی ہونی چاہیے۔عوام پر بھاری ٹیکس سے اجتناب اور نظام ٹیکس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔بیت المال کا صحیح مصرف اور ہر سطح پر منصفانہ نظام احتساب کسی بھی ملک کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ملازمین کی تنخواہوں اور مراعات کا خیال رکھنا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے رفاعی اداروں کا قیام شاہ صاحبؒ کے نزدیک ضروری ہے۔شاہ صاحبؒ کے ان افکار پر عمل پیرا ہوکر ہم پاکستان میں اسلامی اقتصادی نظام کی تعبیر ممکن بنا سکتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) شاہ ولی اللہ، البدور البازغہ ،اکادمیہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، حیدرآباد، ۱۹۷۰ء، ص ۹۱

(۲) شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم ، حجۃ اللہ البالغہ دارالجیل،، بیروت، ۱۴۲۶ھ، ج ۱، ص ۹۲

(۳) ایضاً، ص ۹۴

(4) *(d)He is of good Character and is not known as one who voilates islamic injinctions. (e)He has adequate knowledge of Islamic teachings and practices obligatory duties prescribed by Islam as well as abstains from major sin s.(Constitution of Pakistan 1973,p44)

(۵) ایضاً، ص ۹۵

(۶) ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن، تاریخ دمشق، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، مصر، ج ۶۸، ص ۱۰۱

(۷) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ، ج ۱، ص ۹۳

(۸) شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص ۱۶۳

(۹) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ، ج ۲، ص ۱۶۳

(۱۰) ایضاً، ص ۲۹۸

(۱۱) ایضاً، ج ۱، ص ۱۰۰

(۱۲) ایضاً، ج ۲، ص ۲۸۹

(۱۳) ایضاً، ص ۲۹۳-۲۹۴

(۱۴) ایضاً، ص ۲۹۹

(۱۵) ایضاً، ص ۱۶۳، ۱۶۴

(۱۶) شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص ۱۱۳

(۱۷) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۹۳

(۱۸) ایضاً، ص ۹۵

(۱۹) روزنامہ پاکستان، ملتان، ۲۲ فروری، ۲۰۱۴، ص ۱ (ٹائٹل پیج)

(۲۰) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۲۳۳

(۲۱) شاہ ولی اللہ،البدور البازغۃ،ص۹۳،۹۲
(۲۲) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ، ج ۱،ص۹۳
(۲۳) ایضاً ، ج ۱،ص۱۸۸
(۲۴) شاہ ولی اللہ،البدور البازغۃ،ص۱۱۳،۱۱۲
(۲۵) ایضاً ،ص۱۱۳
(۲۶) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ، ج ۲،ص۱۶۴
(۲۷) ایضاً ، ج ۱،ص۱۸۸
(۲۸) ایضاً ،ص۱۵۲
(۲۹) ایضاً ، ج ۲،ص۲۳۳
(۳۰) ایضاً ، ج ۱،ص۹۷
(۳۱) شاہ ولی اللہ،البدور البازغہ،ص۱۱۳
(۳۲) ایضاً
(۳۳) ابوداؤد،سلیمان بن اشعث،سنن ابی داؤد، ج ۳،ص۱۳۴، ح ۲۹۴۳
(۳۴) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱،ص۱۵۲
(۳۵) ایضاً ،ص۹۳
(۳۶) ایضاً
(۳۷) شاہ ولی اللہ،البدور البازغۃ،ص۱۱۳
(۳۸) بخاری،محمد صدیق شاہ،رواداری اور پاکستان،علم وعرفان پبلشر،لاہور،ص۴۹۶
(۳۹) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ، ج ۱،ص۹۶
(۴۰) ایضاً
(۴۱) ایضاً

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆